ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.4 (2025)
(October to December)

محمد حمید شاہد کے افسانوں میں پاکستان کے سیاسی مسائل کی پیش کش

The Representation of Pakistan's Political Issues in the Short Stories of Muhammad Hameed Shahid

غلام شبیر
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان
ڈاکٹر اسلم عزیز درانی
پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان

Ghulam Shabbir
Ph.D Scholar, Department of Urdu, National College of Business Administration and Economics, Multan
shabirsial506@gmail.com
Dr. Aslam Aziz Durrani
Professor, Department of Urdu, National College of Business Administration and Economics, Multan

Abstract:
This study explores the representation of political issues in the short stories of Hameed Shahid, a prominent contemporary Urdu fiction writer whose works encapsulate the social and ideological tensions of postcolonial Pakistan. Shahid's narratives reveal how political instability, foreign interventions, religious extremism, and power struggles influence individual and collective consciousness. His fiction does not merely document events; rather, it exposes the psychological pressures and moral fractures that emerge when state institutions weaken and public trust collapses. Through symbolic expression and nuanced characterization, Shahid interrogates the consequences of authoritarian regimes, war on terror policies, and shifting global power structures, particularly those unfolding after the events of 9/11. His stories demonstrate how political manipulation transforms ordinary citizens into victims of fear, uncertainty, and ideological exploitation.

Keywords: Political consciousness, Power structures, Post-9/11 fiction, Social fragmentation, Ideological manipulation, State violence

یہ مطالعہ حمید شاہد کے افسانوں میں سیاسی مسائل کی پیش کش کا جائزہ لیتا ہے۔ حمید شاہد معاصر اردو افسانے کے ایک اہم لکھاری ہیں جن کی تخلیقات پاکستان کے بعد از نو آبادیاتی معاشرتی و فکری تناؤ کو نہایت گہرائی سے منعکس کرتی ہیں۔ ان کے افسانے محض سیاسی واقعات کی روداد نہیں بلکہ اس ذہنی و اخلاقی انتشار کو بھی آشکار کرتے ہیں جو سیاسی عدم استحکام، بیرونی مداخلت، مذہبی انتہاپسندی اور قوت کے حصول کی کشمکش کے نتیجے میں جنم لیتا ہے۔ ان کی علامتی اور تہہ دار بیانیہ تکنیک ظاہر کرتی ہے کہ وقتی سیاسی فیصلے کس طرح فرد کی شناخت، اس کے احساسِ تحفظ اور معاشرتی ڈھانچوں کو متاثر کرتے ہیں۔ خصوصاً نائن الیون کے بعد کی عالمی سیاست کے تناظر میں ان کے افسانے اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جب ریاستی ادارے کمزور پڑ جائیں اور عوام کا اعتماد متزلزل ہو جائے تو

انسانی زندگی خوف، بے یقینی اور نظریاتی استحصال کا شکار ہو جاتی ہے۔ حمید شاہد حقیقت نگاری اور تمثیلی اظہاریے کو یکجا کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ سیاسی تشدد اور ادارہ جاتی بدعنوانی کوئی بیرونی عناصر نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کے اندر پیوست المیے ہیں۔ یہ تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ حمید شاہد کی افسانہ نگاری نہ صرف پاکستان کی سیاسی صورت حال کا عمیق تجزیہ فراہم کرتی ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتی ہے کہ سیاسی بیانیے انسانی وجود، اس کی اخلاقیات اور اس کے مستقبل کو کس طرح نئی معنویت دیتے ہیں۔

حمید شاہد کا شمار اردو افسانے کے اُن معتبر اور سنجیدہ فنکاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے عہد کے انسانی، معاشرتی اور سیاسی تجربات کو غیر معمولی گہرائی کے ساتھ تخلیقی سطح پر برتا ہے۔ ان کی ادبی شخصیت ایک ہمہ جہت فکری حساسیت اور فنی پختگی کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ جدید اردو افسانہ انہیں ایک ایسے فنکار کے طور پر پہچانتا ہے جس نے نہ صرف روایت اور جدیدیت کے درمیان ایک متوازن رشتہ قائم رکھا بلکہ افسانے کو موجودہ دور کے پیچیدہ انسانی تجربات کے ساتھ ہم آہنگ بھی کیا۔ حمید شاہد کی تخلیقی جہتوں کا تنوع، زبان کی تہہ داری، علامتی سطح پر معنی آفرینی اور کرداروں کی نفسیاتی گہرائی انہیں اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

ان کے افسانوی سفر کا جائزہ لیا جائے تو "پگڈنڈی پر چلتے ہوئے"، "جنم جہنم"، "مرگ زار"، "انکار"، "ہجرتوں کے درمیان"، "آدمی" اور "احتساب" جیسے مجموعے ان کے تخلیقی ارتقا اور فکری وسعت کے بھرپور گواہ ہیں۔ ہر مجموعہ اپنے اندر ایک نیا تخلیقی مزاج، نئے اسلوب اور نئے مسائل کو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمید شاہد کے فن کو ادبی دنیا میں مسلسل پذیرائی ملتی رہی۔ ان کے افسانے جدید افسانوی جمالیات، علامتی قوت، موضوعاتی تنوع اور انسانی دکھ کی تہہ دار پیش کش کے باعث نہ صرف نقادوں کی توجہ کا مرکز رہے بلکہ مختلف ادبی ایوارڈز، اعزازات اور علمی مباحث میں بھی انہیں بھرپور اعتراف حاصل ہوا۔ حمید شاہد کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ افسانے کو محض ایک کہانی نہیں رہنے دیتے؛ اسے انسانی تجربے کی تہوں میں اتار کر قاری کو ایک وجدانی مکالمے کا حصہ بنا دیتے ہیں۔

ان کی تخلیقات پر مجموعی نظر ڈالنے سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ حمید شاہد نے انسانی وجود کے مختلف پہلوؤں، جنگ و امن کے مسائل، معاشرتی بے حسی، نفسیاتی کشمکش اور تہذیبی زوال جیسے موضوعات پر لکھا، مگر پاکستان کے سیاسی حالات اور ریاستی مزاج کے اثرات ان کے افسانوی شعور کا ایک مستقل حصہ رہے ہیں۔ ان کے یہاں سیاست براہِ راست نعرے یا احتجاج کی صورت میں نہیں آتی بلکہ انسانی تجربے کی داخلی سطح پر اتر کر ایک ایسا بے نام دباؤ، خوف، کرب اور اضطراب پیدا کرتی ہے جو سیاسی ماحول کی اصل شدت کو بے نقاب کرتا ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں آمریت، بدعنوانی، غیر یقینی جمہوریت، ریاستی اداروں کی باہمی کشمکش، جنگی حالات اور مہاجرت کے صدمات جیسے عناصر جس طرح عام انسان کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں، وہی کشمکش حمید شاہد کے افسانوں میں فضا، کیفیت، علامت، کردار اور پیرائے کے ذریعے محسوس کی جا سکتی ہے۔

ان کے افسانے محض سیاسی بحرانوں کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ یہ دکھاتے ہیں کہ سیاسی فیصلوں اور ریاستی رویوں کے اثرات کس طرح فرد کی نفسیات، اس کی شناخت، اس کے رشتوں اور اس کی امیدوں تک میں سرایت کر جاتے ہیں۔ حمید شاہد کا فن اس معنٰی میں پاکستان کے سیاسی اور سماجی ڈھانچے کا ایک اندرونی مطالعہ بھی پیش کرتا ہے، کیونکہ ان کے کردار سیاسی ہلچل کے درمیاں سانس لیتے، ٹوٹتے، بکھرتے اور نئے معنی تلاش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے افسانوں میں پاکستان کے سیاسی مسائل کی پیش کش کا جائزہ لیا جائے تو سامنے آتا ہے کہ وہ محض حالات کی تاریخ نہیں بلکہ پورے عہد کی روحانی، سماجی اور نفسیاتی کیفیات کا تخلیقی اظہار ہیں۔

حمید شاہد نے ۹/۱۱ کے بعد بدلتے ہوئے سیاسی ماحول، عالمی خوف، جنگی جنون اور انسان کی داخلی ٹوٹ پھوٹ کو نہایت گہرے فنکارانہ شعور کے ساتھ افسانوں میں پیش کیا۔ اس سانحے نے فرد اور ریاست کے تعلق کو جس طرح متاثر کیا، وہ ان کے کرداروں کے اضطراب، عدم تحفظ اور شناخت کے بحران میں نمایاں ہوتا ہے۔ انہوں نے دہشت گردی کے بیانیے اور اس کے نام پر جاری عالمی سیاست کو علامتی اور نفسیاتی سطح پر کھولا، جس سے سیاسی حقیقتیں محض واقعات نہیں بلکہ انسانی المیے کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ ان کے ۹/۱۱ پس منظر میں لکھے گئے افسانے عالمی سیاست کے اثرات کو ذاتی تجربے کی گہرائی میں جذب کرتے ہوئے ایک مستقل عہد نامہ بن جاتے ہیں۔ افسانہ مرگ زار سے متعلق منشایاد لکھتے ہیں:

> "وہ کہانی جس پر کتاب کا نام رکھا گیا۔۔ اس کہانی کا موضوع جہاد اور شہادت جیسا نازک مسئلہ ہے جس کی کچھ عرصہ پہلے تک کچھ اور صورت تھی اب نائن الیون اور عالمی طاقتوں کی مداخلت سے کچھ اور صورت بن گئی ہے۔"(۱)

افسانہ "**سورگ میں سور**" حمید شاہد کی ان تخلیقات میں شمار ہوتا ہے جو سیاسی شعور اور عالمی طاقتوں کے پس منظر میں نہایت گہری علامتی معنویت رکھتی ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد کی دنیا میں جنم لینے والی عالمی سیاست، استعماری چالوں اور اندرونی سیاسی معاشی زوال کو حمید شاہد نے اس افسانے میں نہایت فنی سلیقے سے بے نقاب کیا ہے۔ یہاں بکریوں، کتوں اور سوروں کی علامتیں مشرق و مغرب کے باہمی تعلقات اور طاقت کے غیر منصفانہ توازن کی طرف اشارہ کرتی ہیں، اور واضح کرتی ہیں کہ کس طرح عالمی قوتیں ہمارے سیاسی، سماجی اور معاشی ڈھانچوں کو اندر سے کھوکھلا کرتی جا رہی ہیں۔ یہ افسانہ اپنے عہد کی اس تلخ حقیقت کو بھی سامنے لاتا ہے کہ ملک کے طاقت ور طبقے — جنہیں افسانے میں سوروں کے استعارے سے پیش کیا گیا ہے۔ ریاستی جبر اور سیاسی مفادات کے نئے نئے طریقے ایجاد کر کے عوامی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح یہ افسانہ عصرِ حاضر کی سیاسی پیش کش کا ایک علامتی مگر نہایت مؤثر بیانیہ بن جاتا ہے۔ حمید شاہد نائن الیون کے واقعے سے پہلے کی صورت حال کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "پہلے بے بسی ضرور تھی لیکن ہمت ہی ٹوٹ جائے ایسی لاچاری اور بے کسی نہ تھی نہ پھڑ کی والے سال نہ آنے والے برسوں میں اور اسی موت کے کھیل میں سے زندگی کا چھچھابر آمد ہو جایا کرتا تھا۔"(۲)

نائن الیون کا سانحہ افسانہ "**سورگ میں سور**" کی فضا میں صاف محسوس ہوتا ہے۔ حمید شاہد یہ دکھاتا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی پہلے ہی اس خطے میں مداخلت کے کسی بہانے کی تلاش میں تھے، اور ۱۱ ستمبر کی صبح نے انہیں وہ وجہ فراہم کر دی جس کی انہیں دیر سے ضرورت تھی۔ یوں ایک طاقت ور قوت پوری شدت کے ساتھ اس خطے پر چڑھ دوڑی — روندتی ہوئی، مسلط ہوتی ہوئی، اور اپنے مفادات کی خاطر ہر حد پار کرتی ہوئی۔ یہ افسانہ اسی جبری اور نابرابر سیاسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ حمید شاہد لکھتے ہیں:

> "جب سے تھوتھنیوں والے آئے ہیں۔ دکھ موت کی اذیت سے بھی شدید اور سفاک ہو گئے ہیں۔"(۳)

افسانے کی یہ علامتی تہہ دراصل اُس عالمی منظر نامے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو نائن الیون کے بعد یکسر بدل گیا۔ اس واقعے نے سیاسی اور عسکری طاقت کا توازن یک رُخی بنا دیا، اور یوں ایسا محسوس ہونے لگا کہ دنیا کے تمام اصول، قوانین، انصاف، بین الاقوامی ضابطے اور اخلاقی قدریں ایک ہی طاقت کے پلڑے میں ڈال دی گئی ہیں۔ خطے کی حکومتیں بغیر کسی تردد کے اتحادی بنتی چلی گئیں، اور عسکری

اشتراک کو اپنی بقا کی ضمانت سمجھنے لگیں۔ پاکستان بھی اس دباؤ سے محفوظ نہ رہ سکا؛ یہاں حفاظتی ادارے اپنے ہی شہریوں پر شک کی نگاہ رکھنے لگے، اور پکڑ دھکڑ کے ذریعے عالمی طاقت کی رضاجوئی میں مصروف ہو گئے۔ حمید شاہد نے نائن الیون کے بعد وجود میں آنے والی نیو ورلڈ آرڈر کی فضا، تیسری دنیا کے ممالک کے خوف زدہ طرزِ عمل، اور طاقت کے مراکز سے وفاداری کی اندھی دوڑ کو نہایت مؤثر علامتی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ افسانہ معنوی سطح پر کئی گہری پرتیں رکھتا ہے، جو بیک وقت عالمی سیاست، ریاستی رویوں اور سماجی نفسیات تینوں کو منکشف کرتی ہیں۔ ڈاکٹر توصیف تبسم رقم طراز ہیں:

> "بالائی سطح پر یہ بارانی زمین پر آباد سورگ ایسے گاؤں اور اس کے محنت کش باسیوں کی جہد حیات کی داستان ہے۔ مگر زیریں سطح پر یہ ایک طرف وطن عزیز کی سیاسی اور پھر ثقافتی تاریخ کا بیانیہ ہے تو دوسری طرف نائن الیون کے بعد پیدا ہونے والی عالمی صورت حال کا قصہ بھی ہے۔"(۴)

نوجوان ذہنوں کی تشکیل اور انہیں مذہبی جوش و جذبے سے لبریز کر کے "شہادت" کی آرزو کو انتہا تک پہنچا دینا، دراصل اس دور کے عالمی اور مقامی سیاسی منصوبوں کا وہ پہلو تھا جس نے ایک پوری نسل کی سوچ بدل دی۔ زندگی کی ناپائیداری، فنا کی کشش اور انسانی معراج کو قربانی میں تلاش کرنے کا تصور اس شدت کے ساتھ ان کے اذہان میں بٹھایا گیا کہ وہ اپنے وجود کی معنویت ہی اس ایک راستے میں دیکھنے لگے۔ ابتدا میں امریکہ نے اپنے مقاصد کے لیے انہی نوجوانوں کو استعمال کیا، مگر جب یہی قوتیں اس کی ترجیحات کے خلاف گئیں تو وہ اچانک دشمن قرار پائیں، اور پھر وہ ہر اُس گروہ اور طاقت کے ہاتھ میں کھیلتے چلے گئے جو انہیں بہشت اور حوروں کے وعدے کے ذریعے ایک نئے "جہاد" کے لیے آمادہ کرتا رہا۔ اس تناظر میں حمید شاہد کا افسانہ **"مرگ زار"** نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کہانی میں شہادت کے تصور کو جس طرح کم عمر ذہنوں اور نوجوان دلوں میں راسخ کیا گیا، اسے ۸۹ء کے سیاسی ماحول کی روشنی میں سمجھا گیا ہے۔ یہاں مذہبی عقائد کے تقدس اور افراد کی عقیدت مندی کے استحصال کو پوری شدت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ایک مقدس تصور کو طاقت، سیاست اور عالمی مفادات کے لیے استعمال کیا گیا۔ طاہرہ اقبال کے بقول:

> "یہ افسانہ تاریخی اعتبار سے اس عہد کی سمت اشارہ کرتا ہے جب شہید تیار کرنے کے لیے باہر سے اربوں ڈالر آ رہے تھے اور شہدا اور اسلام کے جانثاروں کی تیاری باقاعدہ ایک کاروبار بن چکا تھا۔ اس صنعت کو پھیلانے میں مذہبی پیشوا، فوجی جرنیل اور حکمران سبھی برابر کے حصے دار تھے۔"(۵)

گزشتہ بیس برسوں میں شہادت کے تصور کو جس غیر معمولی اور مصنوعی انداز سے بڑھاوا دیا گیا، اور دینی درس گاہوں سے لے کر عسکری تربیتی مراکز تک اسے جس طرح نئی تعبیرات دی گئیں، وہ دراصل ایک بڑے اجتماعی المیے کی بنیاد بنی۔ المیہ یہ ہے کہ وہی نوجوان، جن کے ذہنوں میں اس نظریے کو مقدس جذبے کے طور پر بٹھایا گیا تھا، اب اپنی ہی ریاستوں کے لیے ایک پیچیدہ اور خطرناک مسئلہ بن چکے ہیں۔ سیاسی اور مذہبی مفادات کے لیے جو فکری بیج کبھی بوئے گئے تھے، آج وہی اپنے انتہائی تلخ اور غیر متوقع نتائج کے ساتھ سامنے کھڑے ہیں۔ حمید شاہد لکھتے ہیں:

> "آپ کو مبارک ہو آپ کا اور ہمارا بھائی معصب شہید ہو گیا۔
> راوی پر گزرنے والا کرب ایک ادھورے جملے میں سمٹ گیا۔

لاش کہاں۔۔۔

دوسری طرف کی میکانکی اور سپاٹ آواز نے جواب دیا۔

شہید کی وصیت تھی اسے جلال آباد کے شہداء کے قبرستان میں سپرد خاک کیا جائے وقت

کم ہے اندھیرا بڑھنے سے پہلے پہلے ہمیں پہنچنا ہے۔"(۶)

حمید شاہد کا افسانہ "موت کی منڈی میں اکیلی موت کا قصہ " بھی سیاسی شعور کی عکاسی کرتا ہے اور عالمی استعماری قوتوں کے خلاف ایک بلند آواز احتجاج پیش کرتا ہے۔ افسانے کے ابتدائی مناظر میں افغانستان اور عراق میں بھڑکتی آگ اور وہاں پھیلنے والی بربریت کو پس منظر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو عالمی طاقتوں کی مداخلت اور جنگی ظلم کے اثرات کو واضح کرتا ہے:

وہ مر گیا۔ جب نخوت کا مارا امریکا اپنے پالتو اتحادیوں کے ساتھ ساری انسانیت پر چڑھ دوڑا

اور اعلیٰ ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر سب کو بدترین اجتماعی موت کی باڑھ پر رکھے ہوئے

تھا۔"(۷)

افسانہ **"لوتھ "** میں حمید شاہد نے موجودہ دور کی سیاسی کشیدگی اور عالمی حالات کی بدلتی نوعیت کو نہایت گہرائی سے پیش کیا ہے۔ یہ افسانہ نائن الیون کے پس منظر میں تحریر کیا گیا، اور علامتی انداز میں ملکی و عالمی سیاسی ماحول کی پیچیدگیوں کو سامنے لاتا ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد ہر طرف عدم تحفظ اور بے یقینی کا عالم پیدا ہو گیا، اور خاص طور پر پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی دہشت گردی کے خلاف جنگ نے معاشرت میں خوف، غیر یقینی اور اضطراب کو عام کر دیا۔ حمید شاہد نے اس پس منظر کو افسانے میں نیم علامتی انداز میں دکھایا ہے، جیسے کہ باپ کا غیر ملکی ڈاکٹروں کے ہاتھوں مفلوج ہونا ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نوجوان نسل، جسے اپنی تاریخ اور تہذیب کی مکمل آگاہی نہیں، اس صورت حال کی پیچیدگی کو صحیح طرح سمجھنے سے قاصر رہتی ہے، اور یہی عدم فہم سیاسی اور سماجی کشمکش کی شدت کو مزید بڑھاتا ہے۔

"پہلے پہل یوں ہوا تھا کہ ٹی وی پر دونوں عمارتوں سے جہاز ٹکرائے دیکھ کر وہ بھی قہقہہ

بار ہوا، ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ آنکھیں کڑوے پانیوں سے بھر گئیں جب بار بار نشر کیا جانے

والا منظر اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو وہ عجیب طرح سے سوچنے لگا تھا منظر

میں تو جہاز جڑواں فلک بوس ٹاور کے بیچ گھستے ہیں مگر اسے یوں لگتا جیسے وہ دونوں ٹاورز لو

ہے اور سیمنٹ کے نہ تھے اس کی اپنی ہڈیوں اور ماس کے بنے ہوئے تھے۔"(۸)

حمید شاہد کے سیاسی شعور سے لبریز افسانے **"موت کا بوسہ "** میں انسانی زندگی کے سیاسی، سماجی اور معاشی پہلوؤں کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانے میں یہ حقیقت اجاگر کی گئی ہے کہ انسان چاہے کائنات میں اپنی محنت اور ہمت کے بل بوتے پر کتنا ہی بلند مقام حاصل کر لے، موت کے سامنے وہ بالکل بے بس ہے۔ مصنف نے ایک ایسا کردار تخلیق کیا ہے جس نے اپنی محنت، قابلیت اور حوصلے سے معاشرتی مقام حاصل کیا، مگر جب موت نے دستک دی تو اس کی تمام کامیابیاں اور محنت بہا کر لے گئی، اور انسانی محدودیت اور فنا کی تلخ حقیقت کو واضح کر دیا۔ علی محمد فرشی اس کے متعلق لکھتے ہیں:

""موت کا بوسہ "میں مختلف عصری سماجی، سیاسی، معاشی سطحوں پر روپ بدل بدل کر وار

کرتی ہے اور آدمی اس کے مقابل بے بسی اوڑھ کر بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔"(۹)

حمید شاہد کے افسانے "آئینے میں جھانکتی لکیریں، کتاب الاموت سے میزان عدل کا باب "میں بھی ملکی سیاسی انتشار اور اکھاڑ پچھاڑ کا تفصیلی تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح افسانہ "**آخری صفحہ کی تحریر** "میں ۱۹۸۸ء کے مارشل لا کے بعد کے سیاسی ماحول اور ملکی صورت حال کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس دور میں جب جبر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں عام تھیں، ملک میں بے روزگاری، بھوک اور معاشی محرومی میں اضافہ ہوا، اور اس کے نتیجے میں سماجی بگاڑ اور انسانی المیے جنم لینے لگے۔ حمید شاہد نے اس پس منظر کو اپنے افسانوی شعور کے ذریعے نہایت واضح اور مؤثر انداز میں پیش کیا، تاکہ قارئین نہ صرف سیاسی صورتحال کو سمجھ سکیں بلکہ اس کے انسانی اثرات سے بھی آگاہ ہوں۔ اس افسانے میں بے روزگاری اور مفلسی کے سبب بننے والے منظر نامے کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> "ان کے پیٹ، پیٹھوں نے جکڑے ہوئے تھے اور زبانیں تھوڑی سے بھی نیچے لٹک آتی تھیں ان کے حلق خشک تھے۔"(۱۰)

اس ملک کے پڑھے لکھے لوگ ہمیشہ ایک ایسے سیاسی ماحول کے خواہاں رہے ہیں جہاں استحکام کی فضا ہو، ادارے مضبوط ہوں اور ترقی کا سفر بغیر رکاوٹ آگے بڑھے، تاکہ عوام کی زندگی میں خوشحالی اور آسودگی آئے۔ مگر سیاسی رسہ کشی اور مسلسل اقتدار کی کھینچا تانی نے اداروں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ یہی کیفیت حمید شاہد کے کئی افسانوں میں نظر آتی ہے، اور اس افسانے میں بھی اسی زہریلی حقیقت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ جب عوامی امیدوں کو کچل دیا جائے، اور روشن امکانات کا گلا گھونٹ دیا جائے، تو معاشرہ تباہی کی طرف دھکیلا جاتا ہے۔ ظلم اور جبر کے ستونوں پر کھڑی ہوئی کوئی ریاست کبھی سلامت نہیں رہتی۔ ایسی حکومتیں بظاہر انصاف، احتساب اور ترقی کے نعرے لگاتی ہیں، مگر دراصل یہ معاشرے کو پسماندگی، خوف اور ذہنی غلامی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہاں طاقتور کے ہاتھوں کمزور کا حق مارا جانا اور زندگی کا ارزاں ہو جانا ایک معمول کی بات بن جاتا ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے جسے حمید شاہد نہایت فنکارانہ انداز میں بے نقاب کرتا ہے:

> "قتل کرنا ست دیوتا کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر اس بار یہ اسے مہنگا پڑا۔ وہ دیوی جس نے بندر کی جگہ لے لی تھی اور کتاب میں جسے معات دیوی کا نام دیا گیا تھا، جگر پھاڑ دینے والی آوازوں سے اپنی آواز ملانے لگی۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے احتجاج کے نعرے ھی گونجنے لگے۔ جسے قتل کر دیا گیا تھا اسے ان آوازوں نے زندہ کر دیا توست نے میزان عدل سے رجوع کرنے کا ڈھونگ رچایا۔"(۱۱)

حمید شاہد کے افسانوں میں سیاسی شعور محض پس منظر کی فضا نہیں بلکہ فکری و تہذیبی سطح پر ایک مسلسل اور گہرا بیانیہ ہے جو فرد کی زندگی کو اجتماعی تناظر میں دیکھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان کی تخلیقات میں سیاست کسی دور کی مخصوص واردات نہیں بلکہ انسانی کردار، سماجی رویّوں اور عالمی طاقتوں کی بے رحم چالوں کے درمیان پھنسی ہوئی زندگی کا کرب ہے۔ اسی لیے اُن کے ہاں سیاسی شعور جذباتی احتجاج یا وقتی ردِ عمل نہیں بنتا بلکہ ایک ٹھوس فکری اور تخلیقی تجربے کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے "**دہشت میں محبت** "میں یہ سیاسی رجحان نہایت شدت کے ساتھ ابھرتا ہے۔ نائن الیون کے بعد پیدا ہونے والی عالمی صورتحال، عسکری مفادات، مذہبی انتہاپسندی، عالمی میڈیا کی پراپیگنڈہ سیاست، اور محکوم اقوام کے داخلی تضادات نے جس نئی دنیا کا نقشہ تشکیل دیا، حمید شاہد نے اسے محض ایک عینی شاہد کے طور پر نہیں بلکہ ایک حساس ادیب کی نگاہ سے دیکھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جنگوں کے شور میں

سب سے زیادہ پامال ہونے والی حقیقت انسان اور اس کے احساسات ہیں؛ محبت، تعلق، اعتماد اور شناخت سب پر سیاست قابض ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے خارجی واقعات کی رپورٹنگ نہیں، بلکہ انسان کی شکست، اس کی بے بسی اور اس کی داخلی ٹوٹ پھوٹ کا تخلیقی تجزیہ ہیں۔

"ایک نئی زرگزشت " اس رجحان کی بہترین مثال ہے جہاں سیاست صرف ریاستی نظم یا حکومتی فیصلوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ فرد کے روزمرہ معمولات تک در آتی ہے۔ اس افسانے میں سیاسی استحصال محض کسی مخصوص طبقے کے خلاف نہیں بلکہ پوری سماجی تشکیل کے اندر موجود، غیر مرئی مگر فعال قوت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کردار یہ محسوس کرتے ہیں کہ اصل طاقت ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اُن نظاموں کے پاس ہے جو انسان کی قسمت کے فیصلے پردوں کے پیچھے کرتے ہیں۔ یوں یہ افسانہ بتاتا ہے کہ سیاسی طاقت جب فرد کی آزادی پر قابض ہو جائے تو زندگی ایک ایسی "زرگزشت" بن جاتی ہے جس میں انسان محض صفحے پر درج ایک بے بس سطر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح "جنگ کے موسم میں محبت کی تصویر نہیں بنتی "حمید شاہد کے فکری رجحان کی معراج ہے۔ یہاں جنگ کوئی جغرافیائی یا عسکری مقابلہ نہیں بلکہ زندگی کی اس کیفیت کا استعارہ ہے جہاں محبت کی لطیف اقدار، انسانی رشتوں کی نزاکت اور جمالیاتی احساسات سب کچھ جنگ کے شور میں دب جاتا ہے۔ یہ افسانہ دراصل اس سوال کا جواب ہے کہ جب دنیا طاقت کی سیاست میں الجھ جائے تو محبت کی تصویر کہاں بن سکتی ہے؟ حمید شاہد اس سوال کو ایک فکری احتجاج کی صورت میں پیش کرتے ہیں، اور دکھاتے ہیں کہ جنگ صرف ہتھیاروں سے نہیں بلکہ نظریات، بیانیوں اور خوف کے نظام سے بھی لڑی جاتی ہے۔ اس ماحول میں محبت کا تصور یا تو مسخ ہو جاتا ہے یا پھر زندہ رہنے کے لیے نئے معنی تراشتا ہے۔ یہی وہ نئی حقیقت نگاری ہے جو حمید شاہد کو اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔

انہیں "تلخ حقیقت نگار" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقت کو خوشنما پردوں میں نہیں لپیٹتے۔ وہ داخلی سچائیوں اور سیاسی فریب کاریوں کے ملاپ سے جنم لینے والی اذیت کو عریاں شکل میں سامنے رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں حقیقت نگاری کی روایت محض معاشرتی مسائل کی نشاندہی نہیں کرتی بلکہ سیاسی جبر کے نفسیاتی اثرات کو بھی سامنے لاتی ہے۔ **"جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی "** اسی حقیقت نگاری کی نئی صورت ہے جس میں محبت اور جنگ دو متضاد قوتوں کے طور پر سامنے آتی ہیں، اور انسان ان کے بیچ پسا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حمید شاہد کے افسانے محض ادبی تخلیقات نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے سیاسی و سماجی بحرانوں کی فکری دستاویزات بھی ہیں۔ ان کا سیاسی شعور جذباتی نہیں بلکہ منطقی، فنی اور تہذیبی بنیادوں پر استوار ہے۔ ان کی تحریریں یہ باور کراتی ہیں کہ سیاسی طاقت جب محبت، شناخت اور انسانی قدر کی بنیادوں پر حملہ آور ہو جائے تو ادب خاموش نہیں رہتا وہ سوال اٹھاتا ہے، احتجاج کرتا ہے اور تاریخ کے بیچوں بیچ اپنے نشان ثبت کرتا ہے۔ یہی حمید شاہد کی افسانہ نگاری کی اصل قوت اور ان کی حقیقت نگاری کا حقیقی کمال ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "اس کہانی میں کہیں بھی کوئی مقدس عمارت نہیں ہے۔ ہم بازار میں ہیں۔ بہتی ہوئی بھیڑ کے اندر۔ بازار میں دھماکے ہوتے ہیں مگر دکانیں پھر کھل جاتی ہیں۔ مسجدیں، ان کے محراب، ان کے مینار تو ہر کہیں ہیں مگر ان سب کو اپنے ہالے میں لیتا تقدس میری کہانی میں کہیں نہیں ہے کہ یہاں مسجدوں، خانقاہوں، امام بارگاہوں اور دوسری مقدس عمارتوں میں جب دھماکے ہوتے ہیں تو اندر سے لاشیں برآمد ہوتی ہیں۔ ان عمارتوں کا

جمال اور جلال ہمارے اپنوں کے بارود بندھے جسموں اور ہمارے اپنوں ہی کی لاشوں نے میری کہانی سے الگ کر دیا ہے۔"(۱۲)

ان کے افسانوں میں کرداروں کی پیچیدگیاں اور ان کے متنازعہ جذبات ایک منفرد انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس نوعیت کی کہانیاں نہ صرف قاری کو ایک گہرے نفسیاتی سفر پر لے جاتی ہیں بلکہ انسانی تعلقات کی بدلتی نوعیت کو بھی بہت کھل کر بیان کرتی ہیں۔ حمید شاہد کی افسانہ نگاری کا بنیادی حسن یہ ہے کہ وہ علامت اور کہانی کو الگ الگ خانوں میں نہیں رکھتے بلکہ دونوں کو یوں باہم پیوست کرتے ہیں کہ معنی کی پیدائش محض واقعات یا اشاروں کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کے باہمی تعامل سے جنم لیتی ہے۔ ان کے نزدیک افسانہ محض علامتی استعارات کی نمائش یا واقعات کی خشک تفصیل کا نام نہیں بلکہ انسانی شعور، تجربے اور جہانِ امکان کے بیچ ایک فکری و جذباتی مکالمہ ہے، اسی لیے ان کی تحریروں میں علامت، کہانی، کردار اور تاثر ایک وحدت کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ حمید شاہد کی علامتیں کسی ایک منبع سے مستعار نہیں ہوتیں بلکہ وہ اپنے ادبی شعور کو لوک داستانوں کی صدیوں پر محیط اجتماعی رمزیت، اساطیری روایات کی کائناتی معنویت، مذہبی قصوں کی اخلاقی و روحانی پرتوں، اور سیاسی و سماجی حالات کی ٹھوس حقیقتوں سے مستحکم کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے افسانے محض کسی فرد یا زمانے کی کہانی نہیں رہتے بلکہ انسانی وجود، معاشرتی نظام، اور تہذیبی تجربے کا ایک جامع بیان بن جاتے ہیں۔ ان کی علامتوں میں مظاہرِ فطرت بھی ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں—ہوا، پانی، روشنی، آگ، جنگل، پرندے اور موسم—جو محض فضا نہیں بناتے بلکہ کرداروں کے داخلی اضطراب، امید، شکست، خوف، مزاحمت اور انسانی تقدیر کے سوالات کو ایک وسیع تر معنوی کینوس پر منتقل کرتے ہیں۔ اس طرزِ اظہار سے ان کے افسانے قاری پر فوری تاثر بھی چھوڑتے ہیں اور اسے فکری سطح پر مسلسل مصروفِ مکالمہ بھی رکھتے ہیں، جس کے نتیجے میں تفکر، تجسس اور جذبہ ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایسا تخلیقی اثر پیدا کرتے ہیں جو نہ صرف معاصر اردو افسانے میں ان کی حیثیت کو ممتاز بناتا ہے بلکہ ان کی فنکارانہ بصیرت اور علامتی توانائی کو بھی واضح طور پر نمایاں کرتا ہے۔ ڈاکٹر شفیق انجم لکھتے ہیں:

"محمد حمید شاہد زندی کی تلخ حقیقتوں کے اظہار میں اور تجسس و حیرانی کی نئی دنیاؤں کے انکشاف میں جذباتی نہیں ہوتے بلکہ ایک باوقار سنجیدگی اور متانت ہمہ دم اوڑھے رکھتے ہیں۔"(۱۳)

حمید شاہد کی افسانہ نگاری محض لفظی اظہار کی مشق نہیں بلکہ ہمارے عہد کے سیاسی، سماجی اور فکری تضادات کا ایسا آئینہ ہے جس میں فرد اور معاشرہ ایک دوسرے کے بطن سے جنم لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں جو سوالات اٹھائے، جو سچائیاں بے نقاب کیں، اور جو تلخ حقائق ہمارے سامنے رکھے، وہ محض کسی مخصوص زمانے کی صورت حال نہیں بلکہ ہماری اجتماعی تاریخ کا تسلسل ہیں۔ ان کے افسانوں میں موجود سیاسی شعور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ معاشرے کی بقا صرف طاقت، نعرے اور مصلحتوں پر نہیں بلکہ فکری استحکام، جمہوری اقدار اور سماجی انصاف پر منحصر ہے۔ انہوں نے دکھایا کہ جب ریاستیں اپنے شہریوں کے اعتماد کو مجروح کرتی ہیں، جب مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار بنایا جاتا ہے، جب خارجی طاقتیں داخلی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور جب انسان اپنی شناخت، اقدار اور مقصد سے محروم ہو جاتا ہے تو نتیجہ محض فرد کی شکست نہیں بلکہ پورے معاشرے کا انہدام بن کر سامنے آتا ہے۔

حمید شاہد کے افسانے اس اجتماعی انہدام کے اسباب کو علامتوں، کرداروں اور واقعات کی تہوں میں اس طرح محفوظ کر دیتے ہیں کہ ہر پڑھنے والا اپنے زمانے، اپنی سیاست اور اپنی ذمہ داریوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ان کی تحریر قاری کو راحت نہیں، سوال دیتی ہے؛ تصدیق نہیں، جستجو عطا کرتی ہے؛ اور انجام نہیں، ایک فکری آغاز فراہم کرتی ہے۔ یہی وہ تخلیقی قوت ہے جو حمید شاہد کو محض ایک افسانہ نگار کے درجے سے بلند کر کے ہمارے عہد کے شعور کی وہ آواز بنا دیتی ہے جو مستقبل کی ادبی تاریخ میں بھی گونجتی رہے گی۔ ان کے افسانے ہمیں یہ احساس دلاتے ہیں کہ ظلم، جبر اور استحصال کے خلاف مزاحمت صرف سیاسی بیانیہ نہیں، ایک اخلاقی فرض بھی ہے، اور جب تک انسان اپنے وجود کے اس سوال کا سامنا نہیں کرتا، عدالتِ زمانہ کا فیصلہ کبھی اس کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ یہی پہلو حمید شاہد کی تخلیقی دنیا کو معنویت عطا کرتا ہے اور ان کے فن کو دوام بخشتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ منشایاد، فلیپ، مشمولہ، برف کا گھونسلا، از حمید شاہد، لاہور، الحمد پبلیکیشنز، ۱۹۹۴ء

۲۔ حمید شاہد، سورگ میں سور، مشمولہ، مرگ زار، کراچی، اکادمی بازیافت، ۲۰۱۴ء، ص:۹۸

۳۔ ایضاً، ص:۴۹

۴۔ توصیف تبسم، اثبات، مشمولہ، محمد حمید شاہد کے پچاس افسانے، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص:۱۶

۵۔ طاہرہ اقبال، پاکستانی اردو افسانہ (سیاسی و تاریخی تناظر)، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص:۶۴

۶۔ محمد حمید شاہد، مرگ زار، ص:۳۶

۷۔ محمد حمید شاہد، موت منڈی میں اکیلی موت کا قصہ، مشمولہ مرگ زار، ص:۱۰۶

۸۔ حمید شاہد، لوتھ، مشمولہ، مرگ زار، ص:۴۲

۹۔ علی محمد فرشی، محمد حمید شاہد مرگ زار میں، مشمولہ، آفاق، راولپنڈی، دسمبر ۲۰۱۴ء، ص:۳۴

۱۰۔ حمید شاہد، آخری صفحہ کی تحریر، مشمولہ، بند آنکھوں سے پرے، لاہور، الحمد پبلیکیشنز، ۱۹۹۴ء، ص:۳۰۲

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ حمید شاہد، جنگ میں محبت کی تصویر نہیں بنتی، مشمولہ، دنیازاد، کراچی، شہرزاد کتاب، ۲۰۱۴ء، ص:۱۶۷

۱۳۔ شفیق انجم، اردو افسانہ، بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص:۳۰۷

References in Roman Script:

1. Munsha Yaad, flap, mashmoola Barf ka Ghonsla, az Hameed Shahid, Lahore, Alhamd Publications, 1994.
2. Hameed Shahid, “Surag mein Sur”, mashmoola Marg Zar, Karachi, Academy Bazyaft, 2014, p. 98.
3. Ibid., p. 49.
4. Tauseef Tabassum, “Isbaat”, mashmoola Muhammad Hameed Shahid ke Pachaas Afsanay, Islamabad, Purab Academy, 2009, p. 16.

5. Tahira Iqbal, Pakistani Urdu Afsana (Siyasi wa Tareekhi Tanazur), Lahore, Fiction House, 2015, p. 64.
6. Muhammad Hameed Shahid, Marg Zar, p. 36.
7. Muhammad Hameed Shahid, "Maut Mandi mein Akeli Maut ka Qissa", mashmoola Marg Zar, p. 106.
8. Hameed Shahid, "Loth", mashmoola Marg Zar, p. 42.
9. Ali Muhammad Farshi, "Muhammad Hameed Shahid Marg Zar mein", mashmoola Afaq, Rawalpindi, December 2014, p. 34.
10. Hameed Shahid, "Aakhri Safha ki Tehreer", mashmoola Band Ankhon se Paray, Lahore, Alhamd Publications, 1994, p. 302.
11. Ibid.
12. Hameed Shahid, "Jang mein Mohabbat ki Tasveer Nahin Banti", mashmoola Dunyazad, Karachi, Shehrzad Kitab, 2014, p. 167.
13. Shafiq Anjum, Urdu Afsana, Beesveen Sadi ki Adabi Tehreekon aur Rujhanat ke Tanazur mein, Islamabad, Purab Academy, 2010, p. 307.